۱۳

جذبات فطرت کو کُچلنے کی بجائے انہیں شریعت کے ماتحت رکھو

(فرمودہ ۵ - مئی ۱۹۳۳ء)

تشہّد' تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے فرمایا:-

انسانی اعمال ہمیشہ ایک دائرہ میں چکر لگاتے ہیں- اختلاف نظر آتا ہے' امتیاز نظر آتا ہے' ترقی نظر آتی ہے' تنزل نظر آتا ہے مگر ان تمام امور کے باوجود ہر انسان کے اعمال میں ایک اتحاد کی صورت بھی ہوتی ہے- مومن سے انسان کافر ہو جاتا ہے' بدکار سے نیکوکار بن جاتا ہے' معمولی درجہ سے ترقی کرتے کرتے شہادت' صدّیقیّت یا نبوت کے مقام تک جا پہنچتا ہے- مگر باوجود اس کے اس کے کاموں میں اسی طرح ایک اشتراک کی حالت چلی جاتی ہے جس طرح مالا میں تاگا جاتا ہے- بعض قسم کی مالاؤں میں کہیں سونے کے حصے پروئے ہوئے ہوتے ہیں' کہیں موتی- پھر کہیں چھوٹے موتی ہوتے ہیں کہیں بڑے- اور بعض میں مختلف قسم کے پتھر پروئے ہوئے ہوتے ہیں مگر باوجود اس کے ان سب میں ایک اتحاد ہوتا ہے- ایک تاگا ہوتا ہے جو سب کو پروئے رکھتا ہے- یہ چیز ہے جسے بدلا نہیں جا سکتا- اور اسی کے متعلق ایک روایت ہے جو بعض نے رسول کریم ﷺ کی طرف منسوب کی اور بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص تجھے یہ خبر دے کہ احد پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو تُو اس کو مان لیجیئو لیکن اگر کوئی شخص تجھے یہ خبر دے کہ فلاں شخص کی طبیعت بدل گئی تو تُو اسے نہ ماننا[۱]-

گویا احد پہاڑ کا اپنی جگہ سے ٹل جانا آسان ہے مگر انسانی طبیعت کا بدل جانا مشکل ہے-

اس جگہ طبیعت کے بدل جانے سے بھی وہی حدّ اشتراک مراد ہے جو ہر انسان کے اعمال میں پائی جاتی ہے- ورنہ یہ تو ظاہر بات ہے کہ مومن سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور کافر سے مومن- پھر ایمان میں ترقی کرتے کرتے کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے- کسی زمانہ میں اس کی طبیعت ناتجربہ کاری کی وجہ سے غصہ اور جوش کی طرف مائل ہوتی ہے پھر عمر ڈھل جانے اور تجربہ حاصل ہوجانے کے بعد نرمی کی طرف اس کا میلان ہوجاتا ہے- مگر ایک چیز ہے جو سب میں مشترک ہے اور وہ انسان کا دائرہ عمل ہے- اس دائرہ سے کسی کو باہر نکالنا انسانی قدرت میں نہیں- جو کچھ کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے نقص کو چھپادیا جائے جیسے لکڑی پر پالش کردی جائے تو پالش سے لکڑی کی گرہ دور نہیں ہوجاتی' البتہ ہوشیار ترکھان مختلف قسم کے رنگوں اور پالش وغیرہ سے اس لکڑی کے عیب کو چھپادیتا ہے- اسی طرح جو خامیاں انسانی طبیعت کے اندر ہوتی ہیں' ان پر پردے ڈال دیئے جاتے ہیں- اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے- كَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ[۲] یعنی ہم مومنوں کی سیّئات کا کفارہ کردیتے ہیں اور ان کے عیوب پر پردہ ڈال دیتے ہیں-

پس انسانی فطرت کے اختلاف سے کبھی دنیا میں گھبرانا نہیں چاہیئے- مگر بعض لوگ ہوتے ہیں جو فطرتوں کے اختلاف سے گھبراجاتے ہیں- کسی کو غصے ہوتے دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کیسی بُری جماعت ہے' اس کے افراد آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں- یا کسی کی حد سے بڑھی ہوئی نرمی کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کیسی بُری جماعت ہے' اس کے افراد میں جوش ہی نہیں- حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسے لوگ خداتعالیٰ کی قدرت سے ہمیشہ پیدا ہوئے' ہورہے ہیں اور ہوتے رہیں گے- کوئی سلسلہ اور کوئی جماعت ان کی طبیعت کو بدل نہیں سکتی- جس چیز کو بدلا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعت کے بد اثرات کو کمزور کردیا جائے یا اس کے بداثرات کو باطل کردیا جائے- اور اس وجہ سے کبھی ان پر غفران کی صفت کام کرتی ہے یعنی ان کے عیوب پر ایسا پردہ ڈال دیا جاتا ہے جس سے عیوب میں کمی آجاتی ہے- اور کبھی اس میں تکفیر مدنظر ہوتی ہے یعنی انتہائی کوشش سے کمزوریوں کو اس طرح مٹادیا جاتا ہے کہ ظاہری نظر اُنہیں دیکھ ہی نہیں سکتی- یہی کام ہے جو مذہب کا ہے- اور یہی کام ہے جو انبیاء کرتے ہیں- ورنہ طبیعتِ انسانی اپنی حدبندی سے باہر نہیں جاسکتی- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض کتابوں میں اسی حقیقت پر زور دیا ہے- اور غلطی سے بعضوں نے یہ سمجھ لیا ہے

کہ اگر یہی حالت ہے تو پھر نیکی کی جدوجہد کی کیا ضرورت ہے- اور پھر کیوں خدا ایک کو بڑا کردیتا ہے اور ایک کو چھوٹا- جو بڑا ہوا' اس میں اس کی خوبی کیا تھی- خداتعالیٰ نے اس کی طبیعت کو ایسا ہی بنایا تھا- اور اگر کوئی چھوٹا ہوا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے- اس کی طبیعت ہی ایسی تھی کہ وہ بلندی کی طرف پرواز نہ کرسکے مگر یہ صحیح نہیں- اصل بات یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے' انسان کی طبیعت ایک دائرہ کے اندر چلتی ہے حتیٰ کہ ایک ہی طبیعت ایک وقت میں مومن ہوتی ہے اور دوسرے وقت میں کافر مگر دائرہ وہی ہوتا ہے- مثلاً ایک انسان ہے جس کی طبیعت بدظنی کی طرف مائل ہے- اب بدظنی ایک طبعی چیز ہے- کبھی اس کا اثر ماں کے پیٹ میں ہی ہونا شروع ہوجاتا ہے- کبھی باہر آکر- کبھی باپ دادا کے اثرات کے نیچے انسان بدظنی میں مبتلا ہوتا ہے- اور کبھی اور وجوہات سے حتیٰ کہ بعض دفعہ ایک ہی سلسلہ میں دس پندرہ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد ایسے ملیں گے کہ ان سب کی طبیعت بدظنی کی طرف مائل ہوگی- مذہب کے اثر کے ماتحت ایسے لوگ نیک تو ہو جائیں گے- مگر نیکی میں خواہ کسی قدر بلند مقام حاصل کرجائیں' ان کا میلان اسی طرف رہے گا- فرق صرف یہ ہوگا کہ بدظنی کا رنگ بدل جائے گا- مثلاً اگر ایسا شخص نیک ہوجائے گا تو حددرجہ کی احتیاط کرے گا- یہ زیادہ احتیاط بھی بدظنی کا ایک رنگ ہے- بدظنی کیا چیز ہوتی ہے وساوس کی کثرت کا نام بدظنی ہے- یہی وساوس کی کثرت اگر نیکی نہ ہونے کی صورت میں بدظنی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے' تو نیک ہونے کی حالت میں زیادہ احتیاط کی شکل اختیار کرلیتی ہے- اور انسان کہتا ہے کہ اگر میں نے یوں کیا تو اس طرح نہ ہوجائے' اور اگر اس طرح کروں تو اس طرح نہ ہوجائے- گویا بدظنی کی شکل بدل جائے گی- وساوس کی نوعیت تبدیل ہوجائے گی- مگر میلان وہی رہے گا- نیک ہوکر بھی وہ یہی خیال کرتا رہے گا کہ اگر میں فلاں سے معاملہ کروں تو اسے ٹھوکر نہ لگ جائے- شاید فلاں سے تعلق رکھنے کا اچھا نتیجہ پیدا نہ ہو- یہ وہی میلان ہے جو کفر کی حالت میں بدظنی کی شکل میں تھا- مگر ایمان کی حالت میں احتیاط کی صورت میں آگیا- چیز وہی ہے صرف اس کا نام بدل جاتا ہے- تو اول تو انسانی اعمال کے دائرے اتنے وسیع ہیں کہ یہ کہہ دینا کہ ترقی کے راستے محدود ہیں صحیح نہیں- اور اگر دائرے وسیع نہ ہوں تب بھی انسانی طبیعت کا میلان مٹ نہیں سکتا- مثلاً ابھی میں نے بدظنی کی مثال دی ہے یہ بدظنی نیکی کی حالت میں تردّد کی ایک شکل ہے- تردّد یہی ہوتا ہے کہ جب انسان کے سامنے کوئی چیز

پیش کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے جس حالت میں ایک چیز میرے سامنے پیش کی گئی ہے' میں کیوں اسے اسی صورت میں مان لوں- ایک شخص اگر نیک سمجھا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ میں بھی اسے نیک تسلیم کروں- یہی تردّد ہے جو ایمان کی کمزوری کی حالت میں بدظنی کی شکل اختیار کرلیتا ہے-

اسی طرح ہزاروں ایسے انسان ہوسکتے ہیں جو ایک ہی دائرہ کے اندر گھومنے والے ہوں- مگر ایک تو اس دائرہ میں چکر کاٹ کر صدّیقیت کے مقام تک پہنچ گیا ہو اور ایک کافر بن گیا ہو- ایک بدظنی کی صورت میں ابوجہل ہوگیا ہو- اور دوسرا احتیاط کی صورت اختیار کرکے ابوبکرؓ بن گیا ہو- اور اگر مختلف دائرے ہوں تب بھی اس کیلئے خدا نے دو صورتیں مقرر کی ہیں- اور وہ یہ کہ جس حد تک کوئی شخص کسی بُرائی کے ازالہ کیلئے کوشش کرسکتا ہے' اس حد تک کوشش کرنے کے باوجود اگر اس کے اعمال میں بعض کمزوریاں باقی رہیں تو اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں کو اپنے فضل سے ڈھانپ دیتا ہے- اور دوسرے یہ کہ اگر سوال بھی کرتا ہے- تو ان امور کے متعلق جو اس کے دائرہ کے اندر ہوں- اور جو اس کے دائرہ عمل سے باہر ہوں ان کے متعلق سوال نہیں کرتا- کیونکہ سوال تبھی کیا جاسکتا ہے جب کسی کے اندر ایک چیز کا مادہ رکھا گیا ہو اور اس نے اس سے کام نہ لیا ہو- مگر جس چیز کا مادہ ہی انسان کے اندر نہ رکھا گیا ہو' اس کے متعلق سوال کیا کیا جاسکتا ہے- کیا ایک نابینا سے خداتعالیٰ پوچھ سکتا ہے کہ اس نے دیکھا کیوں نہیں- یا ایک بہرے سے سوال کرسکتا ہے کہ اس نے سنا کیوں نہیں- اسی طرح ایک ایسے انسان سے جس کے اندر بعض باتیں طبعی طور پر نہیں پائی جاتیں وہ یہ سوال نہیں کرے گا کہ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا' کیونکہ وہ لوگ عمل کرنے سے معذور ہوتے ہیں- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک دفعہ ایسی ہی دو مختلف طبیعتیں رکھنے والوں کا اجتماع ہوگیا- ۴-اپریل ۱۹۰۵ء کو جو خطرناک زلزلہ آیا- اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زلازل کے متعلق کثرت سے الہامات ہوئے- آپ خداتعالیٰ کے کلام کا ادب اور احترام کرتے ہوئے باغ میں تشریف لے گئے- کئی بیوقوف کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام طاعون سے ڈر کر باغ میں چلے گئے- اور تعجب ہے کہ میں نے بعض احمدیوں کے منہ سے بھی یہ بات سنی ہے حالانکہ طاعون کے ڈر سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی اپنا گھر نہیں چھوڑا- اُس وقت چونکہ زلازل کے

متعلق آپ کو کثرت سے الہامات ہو رہے تھے' اس لئے آپ نے یہی مناسب خیال فرمایا کہ کچھ عرصہ باغ میں رہیں۔ باقی دوستوں کو بھی آپ نے وہیں رہنے کی تحریک کی۔ اور چونکہ جلدی تھی اس لئے کچھ تو خیموں کا انتظام کیا گیا اور کچھ لوگوں نے اینٹوں پر چٹائیاں وغیرہ ڈال کر رہنے کیلئے جھونپڑیاں بنالیں۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی وہیں جاکر رہے۔ آپ کی طبیعت بڑی جوش والی تھی۔ جب احمدی نہیں ہوئے تھے تب بھی جوشیلی طبیعت رکھتے تھے۔ اور جب احمدی ہوگئے تب بھی طبیعت میں جوش رہا۔ آپ نصیحت میں ہمیشہ جلدبازی کیا کرتے اور آپ کی باتوں میں ایک جلال کا رنگ پایا جاتا تھا۔ آپ کی طبیعت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک نوجوان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کوئی امتحان دے کر قادیان آیا۔ اور مسجد میں اُس نے خوب رو روکر دعائیں کرنی شروع کیں۔ اور خداتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی رحمت کو جذب کرنے کیلئے وہ یہ بھی دعا کیا کرتا کہ خدایا! میرے گناہ معاف کر اور بہت اونچی آواز سے رو رو کر دعائیں مانگتا۔ سترہ اٹھارہ سال اُس کی عمر تھی۔ حضرت مولوی عبدالکریم نے جب اسے روتا دیکھا تو سخت غصہ کی حالت میں کہنے لگے میرا جی چاہتا ہے اس لڑکے کو مسجد کی چھت سے اُٹھا کر نیچے پھینک دوں۔ اس نے گناہ ہی ایسے کون سے کئے ہیں جن کی وجہ سے یہ اس قدر چیخ رہا ہے۔ تو ان کی طبیعت عجیب طرز کی تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب وہ باغ میں گئے تو جو شہر میں ان کے ہمسائے تھے۔ وہی باغ میں ہمسائے ہوگئے۔ لیکن شہر میں ہمسائگت کے باوجود مکانوں میں پندرہ بیس گز کا فاصلہ تھا۔ اور وہ اوپر رہتے اور مولوی عبدالکریم صاحب نیچے کے مکانوں میں۔ مگر باغ میں بالکل قریب قریب جگہ ملی۔ اُن صاحب کے بچوں کو رونے کی زیادہ عادت تھی۔ میں ان کا نام اس لئے نہیں لیتا کہ وہ زندہ ہیں۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے جب ان بچوں کا شور سنا تو انہیں سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے انہیں بلا کر ایک دفعہ نہایت جوش سے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سارا دن آپ کے بچے شور مچاتے ہیں۔ میں دُور بیٹھا ہوا ہوتا ہوں لیکن میرے کان کھائے جاتے ہیں۔ ایک آپ ہیں کہ پاس بیٹھے رہتے ہیں اور آپ کی طبیعت پر ذرا اثر نہیں ہوتا' بچوں کو شور کرنے سے باز رکھو۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی اپنے رنگ کی طبیعت تھی' انہوں نے نہایت جلال میں یہ کہا۔ آگے ان کی طبیعت نہایت نرم تھی۔ وہ مُسکرا کر نہایت آہستگی سے کہنے لگے مولوی صاحب! جب مجھے پاس بیٹھے غصہ نہیں آتا تو آپ کو

دور بیٹھنے سے غصہ کیوں آجاتا ہے۔ یہ دو طبیعتیں ہیں اور دونوں اپنی جگہ پر ایک نیکی کے مقام پر ہیں۔ ایسی طبیعتوں والے دو آدمی اگر کفر میں چلے جاتے تو ایک کفر میں جوشیلا ہوتا اور دوسرا کفر میں ٹھنڈا۔ لیکن جب دونوں ایمان کے دائرہ میں آگئے تو ایک ایمان میں جوشیلا نکلا اور دوسرا ایمان میں نرم طبیعت کا۔ طبیعتیں وہی ہیں مگر اپنے اپنے دائرہ میں ترقی کررہی ہیں۔

میری غرض اس سے یہ ہے کہ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی نیکی کی جدوجہد میں دوسروں کی نقل اختیار کرنا ایک معیار قرار دے لیتے ہیں۔ یعنی اگر ان کے محلّہ یا قُرب و جوار میں کوئی ایسا شخص رہتا ہے جو بہت ہی نرم طبیعت کا ہے تو وہ نیکی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی اس کی طرح نرم طبیعت بنالیں۔ اور اس طرح ان کی تمام کوششیں جو وہ نیکی کے حصول کیلئے کرتے ہیں، رائیگاں چلی جاتی ہیں اور نیکی کے میدان میں ترقی کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے جذبات کا مطالعہ کرکے انہیں خداتعالیٰ کی راہ میں لگانے کی کوشش کرے۔ اگر وہ نرم طبیعت رکھتا ہے تو غصے والے کی نقل کرکے کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اور اگر سخت طبیعت رکھتا ہے تو کبھی نرم طبیعت والے کی نقل کرکے نیکی میں ترقی حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ اگر وہ ان نیکیوں میں ترقی کرنے کی کوشش کرے جو اس کی طبیعت کے لحاظ سے نرم یا سخت طبیعت والے کیلئے مخصوص ہیں تو وہ بہت جلد میدانِ روحانیت میں آگے نکل جائے۔ اگر جوش رکھنے والا شخص یہ کہتا ہے کہ میں اپنی طبیعت کو نرم بناؤں تو وہ غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس کی طبیعت کو آگ والا بنایا ہے اور آگ کا جو کام ہے وہی آگ کرے گی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ پانی کا کام کرے۔ ہاں آگ کے آگے مختلف کام ہوسکتے ہیں۔ آگ جلاتی بھی ہے اور روٹی بھی پکاتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ چاہے تو اپنی آگ والی طبیعت کو اچھے رنگ میں بھی استعمال کرسکتا ہے اور بُرے رنگ میں بھی۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ پانی بن جائے۔ اگر خدا نے اسے آگ بنایا ہے تو وہ پانی والا کام نہیں کرسکتی۔ اور اگر پانی بنایا ہے تو وہ آگ کا کام نہیں دے سکتا۔ آگ اگر چاہے کہ وہ پانی بن کر آٹا گوندھے تو وہ نہیں کرسکتی۔ اسی طرح پانی اگر چاہے کہ وہ آگ بن کر روٹی پکائے تو وہ بھی نہیں کرسکتا۔ پس ہر ایک شخص کو اپنی طبیعت دیکھ کر اس کے مطابق نیکی میں ترقی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی انعامات حاصل کرے گا۔ لیکن اگر وہ اپنی طبیعت کو بدل کر ایک اور رنگ میں نیکی کی جدوجہد کرے گا تو اس کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں گی۔

یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جب اس کی کوششوں کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ پس یاد رکھو بہت سے لوگ نیکیوں سے اس لئے محروم رہتے ہیں کہ وہ دوسروں کی نقل کرنا نیکی کا کمال سمجھتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ یہی نقل اصل نیکی ہے۔ حالانکہ روحانیت میں ترقی کرنے کا اصل یہ ہے کہ انسان اپنے میلانوں کو دیکھے' ان پر غور کرے اور پھر ان کے مطابق نیکی میں ترقی کرے۔ کوئی میلان ایسا نہیں جسے نیکی میں تبدیل نہ کیا جاسکتا ہو۔ اگر کسی میں غصہ ہے تو یہ کون سی بُری بات ہے' آخر دنیا میں ایسے لوگ بھی تو ہونے چاہئیں جو جوش رکھتے ہوں تاکہ مظلوم کی اعانت کیلئے بڑھ سکیں۔ اور اگر وہ غصہ نکال دیں گے تو بعض نیکیوں سے محروم رہیں گے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ بجائے غصہ مٹانے کے اُسے خُبثِ شرارت اور گمراہی کے مٹانے پر صرف کریں۔ اسی طرح ہر جذبہ نیکی کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

پس اگر تم روحانی ترقی حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجائے نقل کرنے کے اپنے جذبات اور شریعت کا مطالعہ کرو۔ اور ان جذبات کو نیکی کے میدانوں میں لے آؤ۔ پھر اس میدان میں اپنے جذبات کو خوب جولانیاں کرنے دو۔ کیونکہ جتنی بھی وہ جولانیاں کریں گے' اتنی ہی تمہارے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔ یہ گُر ہے جو روحانیت میں کام آسکتا ہے' اسے یاد رکھنا چاہیئے۔ میں نے دیکھا ہے بہت سے لوگ اس لئے نیکیوں سے محروم رہتے ہیں کہ وہ پانی پر زور دیتے ہیں کہ آگ کا کام کرے۔ اور آگ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ پانی کا کام کرے۔ آگ پانی کا کام نہیں کرسکتی اور پانی آگ کا کام نہیں کرسکتا۔ ریت لوہے کا کام نہیں کرسکتی اور لوہا ریت کا کام نہیں کرسکتا۔ ریت کیلئے خدا نے اور بہت سے کام مقرر کئے ہیں۔ بلکہ اب تو ریت کے پُل بھی تیار ہونے لگ گئے ہیں۔ جو سیمنٹ سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں ریت اس مفید کام پر صرف ہوتی ہے۔ وہاں پر بُرے رنگ میں بھی استعمال ہوجاتی ہے۔ ایک چور ریت کی مٹھی بھر کر شریف آدمی کی آنکھوں میں جھونک دیتا ہے اور خود بھاگ جاتا ہے۔ پس ریت بُرا کام بھی دے سکتی ہے اور اچھا بھی۔ اسی طرح لوہے سے اچھا کام بھی لیا جاسکتا ہے اور بُرا بھی۔ ایک ہی تلوار ہوتی ہے مگر اس سے ناحق کا خون بھی کیا جاسکتا ہے اور وہی تلوار ملک' قوم اور مذہب کی حفاظت کیلئے بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ پس ہر انسانی جذبہ اچھی طرف بھی جاسکتا ہے اور بُری طرف بھی۔ تمہیں چاہیئے کہ تم بجائے اپنے جذبات کو بدلنے کے اسی میدان میں ترقی کرنے کی کوشش کرو جو تمہارے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ بعض کا

میلان شاعری کی طرف ہوتا ہے۔ اگر وہ شعر کہنے کی طرف ذرا بھی توجہ کریں تو بہت اچھے شعر کہہ سکتے ہیں۔ مگر بعض کا نثر کی طرف میلان ہوتا ہے وہ کتنا ہی زور لگائیں شعر ان سے نہیں بنتا۔ اور اگر بنے گا بھی تو نہایت پھُس پھُسا۔

پس اپنے اندر جو مادہ ہو' اسی کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق عطا فرمائے کہ جو جذبات اس کے اندر رکھے گئے ہیں' ان سے وہ اعلیٰ اور مفید کام لے تاکہ ایک نیک اور دائم رہنے والا نقش دنیا میں باقی رہے جو ہمیشہ نیکی کی یاد دلاتا رہے اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کی بارش ہم پر برساتا رہے۔

(الفضل ۱۱ - مئی ۱۹۳۳ء)

ل مسند احمد بن حنبل جلد۶- صفحہ ۴۴۳ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۱۳ھ

۲ المائدۃ:٦٦